B.A, Part-2 URDU (MB)

Paper- (Prose)

Topic: Manto

Dr. Masroor Haidri,
Department of Urdu,

J.K College, Biraul, Darbhanga.

سعادت حسین منٹو

1935ء میں جب ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا تو اس تحریک کے زیرِ اثر بہت سے نئے لکھنے والے سامنے آئے جن میں کرشن چندر، رجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، حسن عسکری، ممتاز مفتی، بلونت سنگھ اور احمد ندیم قاسمی کے علاوہ ایک بڑا نام سعادت حسن منٹو کا ہے۔ سعادت حسن منٹو 11 /مئی 1912 لدھیانہ میں پیدا ہوا۔ اس کا تعلق کشمیریوں کے مشہور خاندان منٹو سے ہے۔ منٹو کے والد غلام حسن جج تھے۔ منٹو کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ 1931ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ 1935ء میں علی گڑھ یونیورسٹی میں داخل لیا لیکن بیماری نے سلسلہء تعلیم کو منقطع کرنے پر مجبور کر دیا۔ بعد ازاں باری علیگ کی سفارش پر اسے لاہور کے ایک اخبار (پارس) میں ملازمت مل گئی لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر نہ چل سکا اور محض چھے ماہ کا قلیل عرصہ اس اخبار سے منسلک رہنے کے بعد اسے الوداع کہہ کر بمبئی کی راہ لی اور وہاں 1940ء تک ہفت روزہ ''مصور''، ''سماج'' اور ''کارواں'' کے علاوہ مختلف فلم کمپنیوں کے ساتھ بحیثیت کہانی اور مکالمہ نویس کام کیا۔ اسی دوران آل انڈیا ریڈیو میں اسٹاف آرٹسٹ کی ملازمت کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اس دور کے نظمِ آزاد کے معتبر شاعر ن۔م۔راشد پروگرام پروڈیوسر تھے۔ انہوں نے منٹو کی کہانی ''آوارہ'' کو تنقید کا نشانہ بنایا اور اسے اصلاح کے بعد شائع کرنے کا ارادہ کیا لیکن منٹو کی طبع نازک پر یہ اتنا گراں گزرا کہ نہ صرف ن۔م۔راشد سے اپنی کہانی واپس لے لی بلکہ ساتھ ہی ملازمت بھی ترک کر دی۔ اس سے منٹو کو بہت تکلیف ہوئی کیونکہ وہ تنقید بالکل برداشت نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ دل کو بہلانے اور زندگی کی گاڑی کو چلانے کے لیے فلمستان سے اپنا ناطہ جوڑ لیا۔ اس کمپنی سے وابستہ ہونا گویا ان کے

لیے سونے پر سہاگہ ہوا اور یہاں اس کا طوطی بولنے لگا مگر افسوس کہ یہ طوطی بھی کچھ زیادہ عرصہ نہ بول سکا اور وہ اشوک کمار کے ساتھ فلمستان سے الگ ہو گئے اور پھر جب اشوک کمار نے اپنی فلم کمپنی بنائی اور اس کی پہلی دو کہانیاں نذیر اجمیری اور کمال امروہی کی لیں تو منٹو یہ برداشت نہ کر سکا اور دل برداشتہ ہو کر جنوری 1948ء میں پاکستان چلا گیا۔

پاکستان میں منٹو کی کہانیوں پر مقدمات چلے، اسے جیل بھیجا گیا یہاں تک کہ وہ حالات کی بدولت پاگل ہوا پھر تندرست ہو گیا لیکن زندگی سے مایوس اور بے زار رہتا تھا۔ شراب کثرت سے پینے کی وجہ سے صرف تنتالیس سال کی عمر میں برِصغیر پاک و ہند کے اس بڑے جنسی تجزیہ نگار افسانہ نویس کو موت کا جام پینا پڑا۔

اردو افسانہ نگاری میں یوں سعادت حسن منٹو کا وہی مقام بنتا ہے جو غزل میں میرؔ کو حاصل ہوا،، چنانچہ میرؔ ہی کی طرح منٹو کو بھی خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ مجنوں گورکھپوری نے میرؔ کو خدائے سخن کہا تو محمد حسن عسکری نے منٹو کو اردو ادب کا سب سے بڑا افسانہ نگار قرار دیا؛ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ سبھی نقاد منٹو کو سب سے بڑا افسانہ نگار تسلیم نہیں کرتے۔ عبادت بریلوی کے مطابق، منٹو اردو ادب کا سب سے بڑا نہیں تو بڑا افسانہ نگار ضرور ہے۔

منٹو نے اپنے افسانوں کا موضوع جنسیات کو بنایا، اگرچہ یہ موضوع اردو ادب کے لیے نیا نہیں تھا کیونکہ منٹو سے پہلے مرزا ہادی رسواؔ، قاضی عبدالغفار اور سجاد حیدر یلدرم بھی اس موضوع پر قلم اٹھا چکے تھے؛ لیکن جنسی حوالے سے لفظوں کا عریاں استعمال جس طرح منٹو نے کیا، اس سے پہلے کسی سے نہیں کیا تھا۔

منٹو سیدھی سادھی زبان میں عریاں حقیقتوں کو بیان کرتا ہے۔ منٹو نے جنسی موضوعات میں طوائفوں اور بدکردار عورتوں کو موضوع بنایا ہے۔ شاید اس لیے کہ جنسی مسائل زیادہ تر انہی کو پیش آتے ہیں۔ اس کے افسانوں میں بمبئی معاشرت کی جھلکیاں واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہیں اور بھارت کی کئی فلمی کہانیاں منٹو کے افسانوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ منٹو نے اپنی کہانیوں کے مرکز و محور کے طور پر بمبئی شہر کو اس لیے منتخب کیا کہ یہ اس کا دیکھا بھالا شہر تھا۔ طوائفوں کا جو روپ منٹو نے ہمارے سامنے پیش کیا، اس سے پہلے کوئی اردو ادب میں پیش نہ کر سکا۔

☆☆☆☆